سبق : 3

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ ھود ،آیت 25 تا 35)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا (انھوں نے کہا) بے شک میں تمھارے لیے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ﴿25﴾ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تمھارے

آیت 26،25 ﴾ **وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ . . . :** سورۂ ہود کے اس رکوع سے آخر تک اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کے واقعات، نبیوں کی طرف سے پیش کی گئی دعوت اور لوگوں کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے متعلق بات کی ہے۔ اس سورت میں رب تعالیٰ کی طرف سے انکار کرنے والوں کی پکڑ اور دردناک عذابوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورت کے اس حصہ میں ایک تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے کہ آپ سے پہلے نبیوں کی طرف سے بھی یہی دعوت پیش کی جاتی رہی ہے اور ان کی قوموں نے بھی اسی طرح انکار کا رویہ اختیار کیا تھا جیسا کہ مکہ والوں کی طرف سے دیکھنے میں آ رہا ہے تو دوسرا مشرکینِ مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم بھی پہلی قوموں کی روش سے باز آجاؤ اور انکار کے رویے ترک کر دو ورنہ تم پر بھی اللہ کی پکڑ آ کر رہے گی۔ قرآن مجید میں پیش کیے گئے یہ واقعات اصلاح کے اعتبار سے بہت بڑی دعوت ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے بعد جب نسلِ انسانی کا سلسلہ بڑھا اور لوگوں نے مختلف علاقوں میں پھیلنا شروع کیا تو نوح علیہ السلام کے زمانے ہی میں انھوں نے باقاعدہ ایک قوم کی شکل اختیار کی۔ یعنی تعداد کے لحاظ سے وہ لوگ ایک قوم کی حیثیت سے دنیا میں موجود تھے۔

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

بارے میں دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ㉖

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو جن لوگوں کی طرف مبعوث کیا وہ عراق کے علاقے میں آباد تھے۔ یہ ایک بہت بڑی، طاقت ور، نڈر اور باصلاحیت قوم تھی۔ ان لوگوں نے اپنی طاقت و قوت کی دھاک بٹھار کھی تھی۔ نوح علیہ السلام نے اس قوم میں دعوت کے کام کا آغاز کیا اور لوگوں سے کہا: ﴿ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴾ میں تو تمھیں ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تم نے جس شرک کو اختیار کر رکھا ہے یہ سارے گناہوں سے بڑا گناہ اور سب جرائم سے بڑا جرم ہے، تم اللہ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اپنی طرف سے بنائے گئے بتوں کی پوجا پاٹ ترک کر دو۔ تم اس بات کا دعویٰ کرتے ہو کہ فلاں بت یہ کام کرتا ہے اور فلاں بت سے یہ چیز ملتی ہے تو یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔ اس شرک کا انجام دنیا اور آخرت میں تمھارے لیے بہتر نہیں ہے۔ میں تمھیں ان ساری چیزوں سے آگاہ کرنے، ڈرانے اور اصلاح کرنے کے لیے آیا ہوں تاکہ تم اپنے عقیدے تبدیل کرو اور شرک چھوڑ کر رب تعالیٰ کی توحید قبول کر لو۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ: ''کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' سب نبیوں کی دعوت یہ تھی کہ لوگوں کو خالص اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی جائے اور انھیں شرک سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم سے یہی کہہ رہے ہیں کہ میری دعوت کا اصل مقصد یہ ہے کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے والے بن جاؤ اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کرو۔ شرک کا کوئی جواز اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا اختیار کسی کو نہیں سونپا۔ یعنی تم نے خواہ مخواہ نت نئے عقیدے گھڑ کر بتوں کے سامنے سر جھکا دینے، ان سے مرادیں مانگنے اور نذر و نیاز دینے کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے یہ ساری عبادات صرف ایک اللہ کے لیے ہونی چاہییں، غیر اللہ کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ: اگر تم اس دعوت کو قبول نہیں کرو گے تو بہت بڑا عذاب آئے گا۔ اس سے یا تو وہ عذاب مراد ہے جو بعد میں قوم نوح پر آیا اور یا پھر اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں ''عَذَابٌ اَلِیْمٌ''، ''عَذَابٌ عَظِیْمٌ'' اور ''عَذَابٌ مُّقِیْمٌ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، عموماً اس سے مراد دوزخ کا عذاب ہے، کیوں کہ وہی سب سے بڑا اور المناک عذاب ہے۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ اگر تم دین حق پر ایمان نہ لائے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ تم اس دردناک عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ تمھیں تو اس سے ڈر نہیں لگتا لیکن میرے دل میں اس کے بارے میں بڑا خوف ہے، میں چاہتا ہوں کہ کسی طریقے سے تم بھی اس عذاب سے بچ جاؤ۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا

تو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا، ہم تو تمھیں اپنے جیسا بشر ہی دیکھ رہے ہیں اور ہمارے خیال میں جو

آیت 27 فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ: نوح علیہ السلام نے توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور شرک کا ردّ کرتے ہوئے اس کے انجامِ بد سے لوگوں کو ڈرایا تو سب سے زیادہ ردِّ عمل قوم کے سردار اور وڈیروں کی طرف سے آیا۔ وجہ یہ تھی کہ عام آدمی تو پھر بھی بات مان لیتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں لیکن کسی بھی قوم کے وڈیروں کو فوری فکر لاحق ہو جاتی ہے اور وہ مقابلے پر اتر آتے ہیں۔سردار اور وڈیرے اسلام کی دعوت کو اپنے خلاف سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو ہم سے اقتدار چھن جائے گا اور ہمارے پاس جو وسائل موجود ہیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گے۔ آج کے دور میں بھی کیفیت تقریباً ویسی ہی ہے۔ دنیا میں جتنی بڑی بڑی قوتیں اور نام نہاد سپر پاورز ہیں وہ اسلام کے بارے میں بہت پریشان ہیں۔ وہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندیوں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ انھیں خوف اس بات کا ہے کہ مسلمان ہم سے سب کچھ چھین کر لے جائیں گے۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے بڑے سردار جنھیں "اَلْمَلَاُ" کہا جاتا تھا وہ اپنے آپ کو بڑا بنا کر رکھتے اور لوگ بھی ان کے پیچھے چلتے تھے۔ ان سرداروں نے نوح علیہ السلام کی دعوت کو ردّ کرنے کے لیے سب سے پہلے سطحی اعتراضات کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا: نوح علیہ السلام کی قوم کے سردار اور وڈیرے کہنے لگے کہ تم تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو۔ تمھارا کھانا پینا، چلنا پھرنا، شادی کرنا اور بچے پیدا کرنے کا سلسلہ عام لوگوں کی طرح ہی ہے۔تم بھی ان کی طرح آرام کرتے ہو اور تمھارے دوسرے سبھی معاملات بھی بالکل ویسے ہی ہیں۔ہمیں تو تم میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے ہم سمجھیں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ تمھارے پاس کوئی تو ایسی نشانی ہونی چاہیے جسے ہم تسلیم کر سکیں۔ نوح علیہ السلام کی دعوت ردّ کرنے کے لیے پہلی دلیل انھوں نے یہ دی۔ آپ سیرتِ انبیاء علیہم السلام کا مطالعہ کریں تو دوسرے نبیوں کو بھی اپنی قوموں کی طرف سے ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ والے بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے سامنے جوان ہوئے ہو اور تمھاری زندگی کے شب و روز سے ہم پوری طرح واقف ہیں، لہٰذا ایک انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اس پر وحی آنا شروع ہو جائے، ہم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مکہ والوں کے اس اعتراض پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی انھیں یہی جواب دیا تھا۔ انکار کرنے والی قوموں کا رویہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی بعض لوگوں میں اس قسم کا عقیدہ پایا جاتا ہے کہ رسول انسان نہیں ہو سکتا اور وہ صرف ظاہر میں بشر ہوتا ہے، یہ بات درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دلیل کے طور پر یہ بات سمجھائی ہے کہ اس دنیا میں چونکہ انسان آباد ہیں اس لیے ان کی ضروریات اور تقاضوں کو

الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاۡىِ‌ۚ وَمَا نَرٰى لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۢ بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ ۝۲۷

تمھارے پیروکار ہیں وہ بادی النظر میں ہمارے سب سے گھٹیا لوگ ہیں اور ہم اپنے اوپر تمھاری کوئی فضیلت بھی نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تمھیں جھوٹے خیال کرتے ہیں ⑳

سامنے رکھ کر ہم نے انسانوں میں سے ہی ایک انسان کو رسول بنایا ہے تاکہ اعتراض نہ ہو کہ یہ تو فرشتہ ہے، اس کی وہ ضروریات ہی نہیں ہیں جو ہماری ہیں اور یہ تو ہماری ضروریات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔

وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاۡىِ: مشرکینِ مکہ دوسرا اعتراض یہ کرتے تھے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمھاری دعوت قبول کرنے اور تمھاری تابعداری کرنے والے ہمارے معاشرے کے سب سے کم تر اور حقیر قسم کے لوگ ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان عام اور کمتر درجے کے لوگوں کو ہم گھٹیا تصور کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ ہم سردار لوگ ہیں اور ہمارا ایک زبردست معیارِ زندگی ہے جبکہ تجھ پر ایمان لانے والوں کا یہ مقام و مرتبہ بالکل نہیں ہے۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ تمھاری دعوت کوئی مضبوط دعوت نہیں ہے۔ اگر یہ دعوت پختہ ہوتی تو سردار اور وڈیرے جو عقل و فہم اور بہترین صلاحیتوں والے ہیں وہ سب سے پہلے ایمان لاتے، اس پر ہم بھی سمجھتے کہ تمھاری دعوت کو تسلیم کرنا چاہیے لیکن جب ان سرداروں اور وڈیروں نے نہیں مانا تو ہم کیسے مان سکتے ہیں۔

مشرکینِ مکہ کی طرف سے بھی اہلِ ایمان کو گھٹیا کہا گیا، ان کے ایسا کہنے کی اصل وجہ اسلام دشمنی تھی۔ انھیں چونکہ دین پسند نہیں تھا اس لیے دین پر عمل کرنے والے لوگ بھی انھیں پسند نہیں تھے۔ ”بَادِىَ الرَّاۡىِ“ کا مطلب ہوتا ہے جس کی عقل و فہم کمزور ہو اور رائے مضبوط نہ ہو، یعنی ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ان لوگوں کا تو کوئی معیار ہی نہیں ہے اور ان کی رائے اتنی مضبوط ہو ہی نہیں سکتی جتنی سرداروں کی ہے۔ آپ دیکھیں کہ آج بھی بعض لوگ اسی قسم کی طعنہ زنی کرتے ہیں اور صحیح دین پر عمل کرنے والوں کو یہی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ کوئی ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ تو آرتھوڈوکس اور پرانی وضع کے لوگ ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ ان رجعت پسند لوگوں کو نئے دور کے تقاضوں کی سمجھ نہیں ہے اور یہ ترقی پسند نہیں ہیں۔ قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو نوح علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کے ادوار میں انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو ردّ کرنے کے لیے جس طرح کی باتیں کی گئیں آج بھی اسی قسم کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ دینِ اسلام پر عمل کرنے والوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی رائے کا کوئی اعتبار ہے اور نہ ہی ان کا فہم درست ہے۔

وَ مَا نَرٰى لَـكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ: ”اور ہم اپنے اوپر تمھاری کوئی فضیلت بھی نہیں دیکھتے۔“ جیسے انسان ہم ہیں ایسے ہی تم ہو اور تمھارے اندر بھی کوئی بڑائی والی بات نہیں ہے۔ ان کے نزدیک بڑائی کا تصور یہ تھا کہ

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَاٰتٰٮنِىۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَعُمِّيَتۡ عَلَيۡكُمۡ ؕ اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ ﴿۲۸﴾

کہااے میری قوم! کیاتم دیکھتے ہو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب سے عظیم رحمت سے بھی نواز رکھا ہے، جو تم سے چھپا کر رکھی گئی ہے تو کیا تمھارے نہ چاہنے کے باوجود ہم تمھیں اس کا پابند بنا سکتے ہیں (28)

بندے کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہونی چاہیے۔ اسی لیے وہ کہتے تھے کہ ایسی کوئی خاص نشانی تو ہمیں تمھارے اندر نظر نہیں آ رہی جس کی وجہ سے ہم تمھیں اپنے سے برتر خیال کریں اور سمجھیں کہ تم واقعی نبوت کا حق رکھتے ہو۔

بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ: ہم تو تمھیں جھوٹا تصور کرتے ہیں۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ تمھاری دعوت سچی نہیں ہے۔ اس کے لیے دلیل کے طور پر وہ یہی تین باتیں بیان کرتے تھے جو پیچھے بیان کی گئی ہیں کہ رسول بشر نہیں ہوسکتا، معاشرے کے کمتر لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور یہ کہ آپ کی شخصیت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے متاثر ہو کر ہم آپ کو رسول مان لیں۔ ان اعتراضات کی بنیاد پر وہ کہتے تھے کہ ہم آپ کی باتوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں اور آپ کی دعوت کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔

آیت 28 قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ: نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو جواب دیا کہ تم یہ اعتراض کرتے ہو کہ میرے پاس خزانے ہوتے اور بڑے بڑے لوگ میرے ساتھ ہوتے تو پھر تم مجھے نبی اور رسول مانتے تو میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ان چیزوں میں کوئی بڑائی نہیں ہے۔ میرے نزدیک اصل چیز وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نعمت کے طور پر مجھے دی ہے۔ یہ کتنا بڑا اللہ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے توحید کی نعمت عطا فرمائی ہے اور تم شرک کی رذالت میں مبتلا ہو۔ یہاں "بَيِّنَةٍ" سے مراد آسمان سے آنے والی ہدایت اور رب تعالیٰ کی توحید کا فہم ہے۔ ہر نازل ہونے والی کتاب آیات بینات اور روشن دلیلیں لے کر آئی ہے۔ حقائق کو سمجھانا اور اس کے لیے دلائل بیان کرنا آسمانی کتب کا اہم موضوع ہے۔ نوح علیہ السلام کہتے ہیں کہ تمھارے نزدیک اونچے خاندانوں، دولت، سرداروں اور وڈیروں کی اہمیت ہے اور تم اپنے ان اصولوں کے مطابق نظام چلا رہے ہو جبکہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت اس دعوت اور ہدایت کی ہے جو آسمانوں سے ہمارے پاس آئی ہے۔

وَاٰتٰٮنِىۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِهٖ . . . : اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ رحمت سے مراد یہاں نبوت ہے۔ اللہ رب العالمین اپنی خاص رحمت سے بہترین اور اعلیٰ صفات کے حامل بندوں کا انتخاب کر کے انھیں رسالت و نبوت

وَ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور اے میری قوم! میں تم سے کسی مال کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف اللہ کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے، میں انھیں نکالنے والا نہیں۔ بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہو ﴿29﴾

سے نوازتے ہیں اور پھر دعوت کے لیے ان پر ذمہ داری عائد کرتے ہیں۔ فرمایا: ﴿ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ﴾ جو نعمتیں اللہ نے مجھے دی ہیں وہ تم پر کھولی نہیں گئیں اور تم سے مخفی رکھی گئی ہیں۔ تم ان نعمتوں کو جانتے پہچانتے نہیں ہو اور تمھاری عقل اور دانش ان کی حیثیت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ تم حق اور باطل میں تمیز نہیں کر سکتے۔ تمھارے پاس دولت اور سرداریاں ہوں گی لیکن تمھیں ان نعمتوں سے محروم رکھا گیا ہے۔

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ: تو کیا تمھارے نہ چاہنے کے باوجود ہم تمھیں اس دعوت کا پابند بنا سکتے ہیں۔ ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے۔ ہم تو پہلی قوموں کے واقعات بیان کریں گے اور توحید کو دلائل کے ساتھ سمجھائیں گے۔ ہم زبردستی کسی سے دین کی دعوت قبول نہیں کرواتے بلکہ دلیل کی بنیاد پر بات کرتے ہیں۔

آیت 29 ﴾ وَ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ....: نوح علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ میں نے دعوت پیش کرنے کے عوض تم سے کبھی مال و دولت کا کوئی مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی مزدوری مانگی ہے۔ مجھے تم سے کوئی لالچ نہیں ہے اور میں تو صرف اپنے رب کی طرف سے ڈیوٹی پر ہوں۔ اللہ رب العالمین نے مجھے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تم چاہے جتنی بھی مخالفت کیوں نہ کرو میں نے دعوت پہنچاتے رہنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا یہ بہت بڑا اصول بیان کیا گیا ہے کہ وہ کسی سے کچھ مانگتے نہیں۔ قرآن مجید نے اس بات کو بھی ایک دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، ورنہ عام طور پر کوئی بھی بڑا کام کیا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کے عوض کچھ ملے گا۔ انبیاء علیہم السلام کی خاصیت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ کہتے ہیں: ﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ میں نے جو کچھ حاصل کرنا ہے اپنے اللہ سے کرنا ہے۔ میں اسی کی طرف سے مقرر کردہ ہوں اور میرا اجر بھی اسی کے پاس ہے۔

وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ....: اور سن لو کہ تمھارے کہنے پر میں ان کمزور لوگوں کو اپنے سے دور نہیں کروں گا۔ تم چاہتے ہو کہ میں انھیں اپنی مجلس سے اٹھا دوں تاکہ ان کی جگہ تم بیٹھ سکو تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ مخلص لوگ ہیں اور ان کا اخلاص اپنے رب کے ساتھ ہے۔ فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ یہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ یہ

وَ لَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَ لَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّىۡ مَلَكٌ

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ

إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ)) [صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من استعان بالضعفاء....: ٢٨٩٦] ''تمھارے کمزور لوگوں کی ہی وجہ سے تو تمھاری مدد کی جاتی ہے اور تمھیں رزق دیا جاتا ہے۔'' آج کے دور میں ہم دیکھیں تو اللہ کے دین پر عمل پیرا لوگوں کو شدت پسند اور دہشت گرد کہا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا اور قریب بیٹھنا بھی درست نہیں سمجھا جاتا۔ بعض لوگوں نے جہاد کا نام دہشت گردی رکھا ہوا ہے اور مظلوم مسلمانوں کی عزتوں وحقوق کے تحفظ کے لیے کردار ادا کرنے والوں کو معاشرے کا بالکل الگ تھلگ حصہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ میڈیا کے ذریعے اس قسم کے پروپیگنڈے کیے جاتے ہیں کہ جہاد کرنے والوں کی سوچ غلط ہے اور یہ معاشرے کے لیے نقصان دہ ہیں۔

آپ دیکھیں کہ نوح علیہ السلام کہہ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی بڑی لاج رکھتا ہے۔ جو کوئی ان سے دشمنی رکھتا ہے رب تعالیٰ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ اگر یہ اللہ کے دوست ہیں تو اللہ ان کا دوست ہے اور اگر یہ سب کچھ اپنے اسی رب کے لیے قربان کر رہے ہیں تو رب تعالیٰ بھی پھر ان کا ساتھ نبھاتا ہے۔ تم تو ان لوگوں کو رذیل اور معاشرے کے کمتر لوگ کہہ رہے ہو لیکن میری یہ سوچ بالکل نہیں ہے۔ میں تو انھیں اللہ کے مخلص، مقرب اور معزز بندے سمجھتا ہوں، اگر میں بھی تم جیسی سوچ رکھتے ہوئے انھیں اپنی مجلس سے نکال دوں تو مجھ پر بھی اللہ کی پکڑ آئے گی اور میں اپنے آپ کو اس پکڑ سے بچا نہیں سکوں گا۔ اس حوالے سے ایک حدیث بھی ہے، اللہ رب العالمین فرماتے ہیں: ((مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ)) [صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع: ٦٥٠٢] ''جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔'' حقیقت ہے کہ اللہ کے مخلص بندوں کے حوالے سے دلوں میں ایسی محبت ہونی چاہیے اور ان کی قدر ومنزلت کو پہچاننا چاہیے۔ یہ نہیں ہے کہ جن کے پاس مال و دولت ہے اور جن کا معیارِ زندگی بہت بلند ہے انھیں بڑا سمجھا جائے اور جو دین پر عمل کرنے والے ہیں انھیں کمتر سمجھا جائے۔ یہ صحیح سوچ نہیں ہے۔

آیت 31 **وَ لَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ:** نوح علیہ السلام اپنی حیثیت واضح کرتے ہوئے یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ میں جو بات کہتا ہوں اسے سنو اور سمجھو اور جو بات میں نہیں کہتا اسے میری طرف منسوب نہ کرو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں اس بات کو حق کا معیار سمجھتا ہوں۔ میں اس بنیاد پر دین کی دعوت بھی قبول نہیں کروانا چاہتا۔ یہ میرا طریقہ نہیں ہے۔ میں تو صاف طور پر کہتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ پر رب تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے ہدایت آرہی ہے۔ میں اس زمین پر خالقِ کائنات کا نمائندہ اور دین کا داعی ہوں۔ میں یہ بات کبھی نہیں

وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ہوں اور نہ ہی میں ان لوگوں کے بارے میں جنھیں تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، یہ کہتا ہوں کہ اللہ انھیں کسی بھلائی سے نہیں نوازے گا، اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے، (اگر میں ایسا کہوں تو) بے شک میں اس وقت ظالموں میں سے ہوں گا (31)

کہوں گا کہ میرے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہے، لہٰذا تم اسے دیکھ کر میرے قریب آ جاؤ۔ میرا یہ معیار بالکل نہیں اور نہ ہی اسلام کا یہ مزاج اور تربیت ہے۔ آج ہمیں بھی ان باتوں کو لازمی طور پر سمجھنا چاہیے۔ اس وقت بھی دنیا میں اہمیت دولت اور وسائل کی ہے۔ جن کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں انھیں عام طور پر کمتر تصور کیا جاتا ہے۔ دنیا میں اس وقت ملکوں کو جی فور اور جی ایٹ ممالک میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ ساری تقسیم وسائل کی بنیاد پر ہے کہ فلاں ملکوں کے پاس چونکہ ایٹمی قوت ہے اس لیے ان کا معیار یہ ہے اور فلاں ملک دولت سے محروم ہیں، اس لیے ان کی خوراک، ادویات اور دوسری ضروریات کا بندوبست ہم نے کرنا ہے۔ طبقات کی یہی تقسیم نوح علیہ السلام کے دور میں تھی۔ ہر دور میں دین سے غافل اور جاہل لوگ طبقات کی اسی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ نوح علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں انسانوں کو اس بنیاد پر تقسیم کرنے اور مال و دولت کی وجہ سے دین کی دعوت منوانے والا نہیں ہوں۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ: ''اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔'' کل کیا ہو گا یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جو چیز رب تعالیٰ نے مخفی رکھی ہے میں اس کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔ میرے پاس وہی کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ مجھے دے رہا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہیے تو میں تمھیں مطمئن کرنے کے لیے خود کو فرشتہ نہیں کہوں گا۔ میں اپنی اصل حیثیت تمھارے سامنے واضح کر رہا ہوں۔

وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ ....: جن لوگوں کو تم حقیر سمجھتے ہو اور تمھاری آنکھیں جنھیں چھوٹا سمجھتی ہیں میں ان کے بارے میں قطعاً یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ انھیں خیر نہیں دے گا۔ تم سمجھتے ہو کہ صرف مال و دولت سے ہی عقل و حکمت ملتی ہے اور وسائل کی بنیاد پر ہی انسان معزز ہوتا ہے تو ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خیر دینے کے اپنے معیار ہیں۔ جو کوئی اس کے ساتھ جڑ جاتا ہے وہ اسے دنیا میں بھی بھلائی اور کامیابی سے نوازتا ہے اور آخرت میں بھی اسے جنت ملے گی۔ یہ صرف تمھارا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں کچھ نہیں دے گا، میری یہ سوچ نہیں ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ رب تعالیٰ انھیں ہر خیر سے نوازیں گے کیوں کہ انھوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا ہے۔ بندے کو ساری

قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۳۲﴾

انھوں نے کہا اے نوح! یقیناً تم نے ہم سے جھگڑا کیا، پس تم نے ہم سے بہت ہی جھگڑا کیا، تو اب ہمارے پاس وہ چیز لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو، اگر تم سچے ہو ﴿32﴾

خیر ملتی ہی دینِ اسلام کی دعوت قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے ہے۔

آج کے دور میں بعض مسلم حکمران بھی مال و دولت ملنے کو خیر ہی سمجھتے ہیں۔ ملک سودی قرضوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح ہمیں آئی ایم ایف سے قرض کی قسطیں مل جائیں اور دوسرے ملکوں واداروں سے بھی کچھ نہ کچھ حاصل ہو جائے۔ حقیقت میں یہ چیزیں جکڑ بندیاں ہیں جن کی وجہ سے قومیں غلامی کی زنجیریں پہن لیتی ہیں۔ اس سے بعض لوگ آقا اور بعض غلام بن جاتے ہیں، اس لیے یہ کوئی بھلائی والی بات نہیں ہے جو بعض لوگوں کے دل و دماغ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ نوح علیہ السلام کہتے ہیں کہ میرے نزدیک خیر اور بھلائی کا راستہ دین کی دعوت پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ آج اگر مسلم حکمران قرآن پر عمل کریں اور اللہ کا دین ملکوں میں قائم کریں تو آسمانوں سے خیر کے دروازے کھل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ وسائل بھی دیں گے اور قوت اور عزت بھی عطا فرمائیں گے۔

مکہ والے اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے تھے کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے اور پھر ان کے ساتھ بھی آل یاسر اور بلال رضی اللہ عنہم جیسے غلام خاندانوں کے لوگ ملے ہیں، اس لیے یہ خیر سے محروم لوگ ہیں اور انھیں کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ مکہ کے سرداروں کے ذہن میں تھا کہ حکومت ہمارے ہاتھوں میں ہے اور لوگ فیصلوں کے لیے ہمارے پاس آتے ہیں لیکن ان کا یہ سارا زعم اس وقت خاک میں مل گیا جب دس ہزار مسلمانوں کا لشکر مکہ فتح کرنے کے لیے پہنچ گیا۔ اس وقت پھر انھیں معلوم ہوا کہ دنیا میں برتری اور خیر قوموں کو کس بنیاد پر ملتی ہے۔

اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ . . . : ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔'' اگر ان کی نیت درست ہے تو اللہ رب العالمین کی طرف سے انھیں اجر ملے گا اور اگر یہ نیت کے کھوٹے ہیں تو انھیں سزا ملے گی۔ دلوں کا معاملہ رب تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں لیکن میں ظاہری اطاعت کے حوالے سے دیکھ رہا ہوں کہ تم نافرمانیاں کر رہے ہو اور یہ لوگ میرے مخلص ساتھی ہیں، میں انھیں اپنے سے کسی صورت دور نہیں کر سکتا۔ فرمایا: ﴿ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴾ اگر میں انھیں دور کروں گا تو میں ظلم کروں گا۔ اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر میں اس بات کا دعویٰ کروں کہ میرے پاس خزانے ہیں، میں غیب جانتا ہوں، یا میں فرشتہ ہوں تو میں بہت بڑا ظالم ہوں گا لہٰذا میں اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا۔

آیت 32 ﴿ قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَکۡثَرۡتَ جِدَالَنَا: نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے سامنے شان دار دلائل کے ساتھ دعوت پیش کی اور وہ بھی ان دلائل کے سامنے مکمل طور پر بے بس ہو گئے تو بجائے اس کے کہ حق بات کو دل سے

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً وہی اس کو تمھارے پاس لائے گا اور تم (کسی طرح بھی اس کو) عاجز کرنے والے نہیں ﴿33﴾

تسلیم کرتے، وہ کہنے لگے کہ اے نوح! تم نے تو ہمارے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا ہے، ہمیں تیرا یہ جھگڑا پسند نہیں ہے۔ یعنی وہ نوح علیہ السلام کی طرف سے باطل عقائد اور شرک کا ردّ کیے جانے کو جدال اور جھگڑا تصور کرتے تھے۔ شرک و کفر اور اللہ کی نافرمانی میں مبتلا باغیوں کی سوچ ہمیشہ یہی ہوتی ہے۔ وہ داعیان اور مصلحین کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ یہ سخت گیر، شدت پسند اور جھگڑالو قسم کے لوگ ہیں۔ قومِ نوح کے لوگ بھی نوح علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں کہ اتنی طویل مدت گزر گئی ہے تم ہمارے ساتھ بحث و تمحیص اور جھگڑا کر رہے ہو، تم تو ہمارا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے۔

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ: تمھارے بار بار ایک ہی بات کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تم جس عذاب اور اللہ کی پکڑ کا ہم سے وعدہ کر رہے ہو وہ عذاب اگر تم لا سکتے ہو تو لے آؤ، ہم تو کسی صورت ماننے والے نہیں ہیں۔ دوسرے نبیوں کی قومیں بھی ایسے ہی مطالبات کرتی رہی ہیں۔ یہ سراسر جہالت ہے۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ جن قوموں پر اللہ کے عذاب آئے وہ کس قدر نافرمانیوں میں مبتلا رہی ہیں۔ ان میں سے ہر قوم اپنے نبی سے یہی مطالبہ کرتی رہی کہ عذاب لے کر آؤ۔ بندے کی عقل، فہم اور شعور صحیح ہو تو وہ دلیل پر غور کرتا ہے، عذاب نازل ہونے کا کبھی بھی مطالبہ نہیں کرتا، لیکن یہ قومیں چونکہ جہالت میں مبتلا تھیں اس لیے وہ عذاب لانے کا چیلنج کرتی تھیں۔ مکہ والے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار یہی بات کہتے تھے اور ابوجہل تو دعائیں کرتا تھا کہ اگر یہ نبی حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش نازل ہو جائے۔ یعنی کوئی کچھ مطالبہ کرتا تو کوئی کچھ کرتا، اس پر اللہ رب العالمین نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ اپنے دل کو تنگ مت کریں، پہلی قومیں بھی یہی کہتی تھیں کہ تم عذاب لے کر آؤ گے تو ہم تمھیں سچا مان لیں گے۔ حالاں کہ عذاب آ جانے پر سچا ماننے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن ان کی سوچ یہی تھی۔

آیت 33 ﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ: نوح علیہ السلام کہتے ہیں کہ تم مجھ سے بار بار عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہو تو یہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں اسی وقت تمھارا یہ مطالبہ پورا کر دوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے اختیار میں ہے کہ وہ کب اور کس وقت عذاب لے کر آئے گا۔ میں تو دین کی دعوت پیش کرنے کا اپنا فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ نبی عذاب لانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت عذاب لانا ہوتا ہے وہ لے آتا ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ: ''اور تم (کسی طرح بھی اس کو) عاجز کرنے والے نہیں۔'' جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جائے

وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِيۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ‌ؕ

هُوَ رَبُّكُمۡ قف وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَؕ ۝٣٤ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ‌ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ

ع ۱۲/۳ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ۝٣٥

اور تمھیں میری نصیحت فائدہ نہیں دے گی اگر میں چاہوں کہ تمھیں نصیحت کروں جب کہ اللہ یہ چاہے کہ تمھیں گمراہ کرے۔ وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (34) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے گھڑ لیا ہے، آپ کہہ دیجیے! اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرا جرم میرے ذمے ہے اور میں اس سے بری الذمہ ہوں جو تم جرم کر رہے ہو (35)

گا تو پھر تم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔ تمھیں کہیں بھاگنے اور چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ اللہ کی پکڑ کی کیفیت ہی بہت عجیب ہے، اس کا مطالبہ کرنے کی بجائے تمھیں دین کی اس دعوت پر غور کرنا چاہیے جو میں پیش کر رہا ہوں۔

آیت 34 وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِيۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ . . . : نوح علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ جس طرح عذاب لے کر آنا میرے اختیار میں نہیں، ایسے ہی تمھیں ہدایت دینا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے لہٰذا میری نصیحت بھی اسی وقت فائدہ مند ہو گی جب اللہ تعالیٰ تمھیں توفیق عطا فرمائے گا۔ میرا کام نصیحت کرنا ہے اور میں اپنا یہ فریضہ نبھا رہا ہوں لیکن اس میں اثر رب تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس دعوت اور نصیحت کو قبول کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ میرا دل تو چاہتا ہے کہ تم سب اس دعوت کو قبول کر لو لیکن اپنی خواہش کے مطابق تم سے بات منوا لینا میرے بس میں نہیں ہے۔ آپ دیکھیں کہ نوح علیہ السلام کس طرح اپنی حیثیت کو واضح کر رہے ہیں۔ ان چیزوں سے عقیدے کی بڑی اصلاح ہوتی ہے۔ آج کے دور میں بھی ہمارے معاشروں میں ایسے عقیدے پائے جاتے ہیں کہ جن کی بہت زیادہ اصلاح کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ واقعات اسی مقصد کے لیے بیان کیے ہیں کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان حقیقتوں کو قبول کرے اور اپنی طرف سے گھڑے گئے عقیدے ختم کیے جائیں۔

اِنۡ كَانَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ هُوَ رَبُّكُمۡ : اگر اللہ تعالیٰ تمھیں گمراہ کرنا چاہے گا تو میں تمھیں ہدایت نہیں دے سکوں گا۔ وہ تمھارا رب ہے، وہ تم پر ظلم نہیں کرے گا۔ یہ نہیں ہے کہ تم ہدایت قبول کرنا چاہو اور وہ تمھیں توفیق نہ دے۔ تم اس ذات باری تعالیٰ کی طرف آنا پسند کرو گے تو وہ تمھیں ہدایت کی نعمت سے کسی صورت محروم نہیں کرے گا۔

وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ : ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔'' مطلب یہ کہ تم دعوت قبول کرو گے، پھر بھی اسی کے پاس جانا ہے اور اگر انکار کرو گے تو پھر بھی اسی کے سامنے پیش ہونا ہے، اس لیے اپنے انجام کی فکر کرو اور اصلاح کر لو۔

آیت 35 اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ . . . : نوح علیہ السلام پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ دعوت کا یہ سارا نظام اور عقیدۂ توحید کے

وَ اُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّہٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ

اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی کہ تمھاری قوم سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے بعد کوئی اور ایمان نہیں لائے گا،

اصول وضوابط انھوں نے اپنی طرف سے بنائے ہیں۔ وہ خود ہی احکام گھڑ لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ مجھ پر رب تعالیٰ کی طرف سے وحی آ رہی ہے۔ نوح علیہ السلام اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿ اِنِ افۡتَرَیۡتُہٗ فَعَلَیَّ اِجۡرَامِیۡ ﴾ ''اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرا جرم میرے ذمے ہے۔'' دین کا انکار کر دینا بھی بہت بڑا جرم ہے لیکن یہ جرم اس سے بھی بڑا ہے کہ کسی بات کو دین قرار دے کر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی جائے، اسی لیے نوح علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اگر میں نے اپنی طرف سے کوئی چیز گھڑی ہے تو یہ ایسا جرم ہے کہ اس کا وبال بھی مجھ پر ہی ہو گا اور میں اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکوں گا۔

وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ: نوح علیہ السلام اپنی قوم کے لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم جس طرح حق کا انکار کرتے ہو اور نبی پر طعن اور الزام تراشیاں کرتے ہو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ مجھ پر تم جس جرم کا الزام لگاتے ہو میں اس سے بری ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ یہ سارا دین اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے تمھیں دین کی دعوت پوری طرح پہنچا دی ہے۔ نوح علیہ السلام کہتے ہیں اگر میں بھی ایسے ہی مطالبات کرتا جیسے تم کر رہے ہو تو پھر میں بھی ایک مجرم ہی ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بچایا ہے۔ میں نے اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک داعی کی حیثیت سے اپنا کام مکمل کر دیا ہے۔ اب اس کے بعد جس نے انکار کیا اسے سزا ملے گی اور وہ مجرم قرار پائے گا۔ ابن کثیر اور دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ درمیانی کلام جملہ معترضہ ہے کہ کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگا رہے ہیں کہ آپ نے قرآن کو بنایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا کہ تو جواب دے کہ اگر ایسا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے۔ جب میں جانتا ہوں کہ اللہ کا عذاب کیسا ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ پر جھوٹ گھڑ لوں، لہٰذا تم اپنے گناہوں کے ذمہ دار خود ہی ہو۔ غور کیا جائے تو بظاہر یہی تفسیر راجح نظر آتی ہے، کیوں کہ اس واقعہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں دوبارہ کافروں کے افترا کا رد کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے، فرمایا: ﴿ تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ مَا کُنۡتَ تَعۡلَمُہَاۤ اَنۡتَ وَ لَا قَوۡمُکَ مِنۡ قَبۡلِ ہٰذَا ؕۛ فَاصۡبِرۡ ؕۛ اِنَّ الۡعَاقِبَۃَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴾ [ھود: ۴۹] ''یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ کو ان کا علم تھا اور نہ آپ کی قوم کو، لہٰذا صبر کیجیے! بے شک اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔''